أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

مصائب و آلام میں تسلی کی چند باتیں

شیخ خالد بن عبدالرحمان الحسینان حفظہ اللہ

ادارۂ حطین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصائب وآلام میں تسلی کی چند باتیں

شیخ خالد بن عبد الرحمان الحسینان حفظہ اللہ
ترجمہ: بنتِ عائشہ

ادارہ حطین

نامِ کتاب:	مصائب وآلام میں تسلی کی چند باتیں (كلمات في الأزمات کا اردو ترجمہ)
نامِ مصنف:	شیخ خالد بن عبد الرحمان الحسینان حفظہ اللہ
نامِ مترجم:	بنتِ عائشہ
ناشر:	ادارۂ حطین
تاریخِ اشاعت:	ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
تعداد:	۳۰۰۰
برقی پتے:	idara.hitteen@gmail.com
	idara.hitteen@yahoo.com
قیمت:	۴۵ روپے

فہرست

پیش لفظ

ایک انسان کی زندگی ہمیشہ ایک سی نہیں رہتی۔ کبھی اس کی زندگی میں بہار آتی ہے اور کبھی خزاں چھا جاتی ہے، کبھی خوشیوں کی برسات ہوتی ہے تو کبھی غموں کا موسم آتا ہے، کبھی نعمتوں کی چھاؤں میسر آتی ہے تو کبھی مصائب وآلام کی دھوپ ڈیرے ڈال لیتی ہے۔ یہ نشیب وفراز اور مدوجزر انسانی زندگی کا لازمی حصہ ہیں، بلکہ انسانی زندگی انھی سے عبارت ہے۔ اس حقیقت کا ادراک بندۂ مومن کے لیے خاص طور پر اہم ہے کیونکہ وہ ایک ایسے رب اور الہ پر ایمان لایا ہے جس نے اسے زندگی کا ایک ایک لمحہ گزارنے کا ڈھنگ سکھا دیا ہے، اسے اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ کے ذریعے ایک ایسا دین عطا کیا ہے جو ہر معاملے میں اس کی رہنمائی کرتا ہے اور اسے تنہا نہیں چھوڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ اپنے دین کی طرف رجوع کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ جب خوشیوں کی بہار آئے تو کیا کرنا ہے، اور جب مصائب کی خزاں چھائے تو کیا رویہ اختیار کرنا ہے۔

البتہ انسانی طبائع کی غفلت اور بشری کمزوریاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ بندۂ مومن کو بھی ایسے مواقع پر دین کی تعلیمات سے دور کر دیتی ہیں اور اسے شیطان کی راہ پر چلا دیتی ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ زندگی کے ان نشیب وفراز سے نمٹنے کے لیے دین کی طرف رجوع کرے اور دیکھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان معاملات میں اس کی کیا رہنمائی کی ہے۔

پھر بندۂ مومن کی زندگی میں ان دونوں کیفیات کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ﴾ (الأنبيآء: 35)

”اور ہم تمھیں آزمانے کے لیے بری اور بھلی حالتوں میں مبتلا کرتے ہیں اور تم سب ہمارے پاس ہی لوٹا کر لائے جاؤ گے“۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

"نختبركم بالمصائب تارة، وبالنعم أخرى، لننظر من يشكر ومن يكفر، ومن يصبر ومن يقنط"۔

"(آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) ہم تمہیں کبھی مصائب ومشکلات میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں، اور کبھی نعمتوں کی بارش برسا کر آزماتے ہیں، تاکہ ہم دیکھ لیں کہ کون شکر ادا کرتا ہے اور کون کفر کرتا ہے، کون صبر سے کام لیتا ہے اور کون ناامیدی ومایوسی کا مظاہرہ کرتا ہے"۔[1]

یہ دونوں کیفیات بندوں کے لیے بطور آزمائش ہوتی ہیں، اور یہ دونوں ہی بندوں کے حق میں مشکل ثابت ہوتی ہیں۔ نعمتوں کی فراوانی میں بندوں کی اکثریت غفلت کا شکار ہو جاتی ہے، اپنے رب کو بھول جاتی ہے اور ناشکری وتکبر کا مظاہرہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسی لیے فرمایا:

﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ﴾ (العادیات: ٦)

"بے شک انسان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے"۔

دوسری جانب مصائب وآلام کا آلینا بندۂ مومن کی زندگی کے کٹھن ترین اوقات میں سے ہوتا ہے۔ ایسے میں صعوبتوں کو صبر سے جھیلنا، حوادث میں استقامت سے دین پر ڈٹے رہنا اور رب تعالیٰ سے راضی رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں بہت سے مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے اور ہمارے سامنے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کا اسوہ پیش کیا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ دین کے سچے ماننے والوں اور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کو دنیا میں ان مصائب کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے، کیونکہ یہ مصائب ان کے ایمان کی سچائی کو ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الٓمٓ ۔ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ﴾ (العنکبوت: 1-3)

---

[1] تفسیر ابن کثیر؛ سورة الأنبیآء، الآیة ٣٥

"الـــم۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد یوں ہی چھوڑ دیے جائیں گے اور انھیں (مصائب ومشکلات کے ذریعے) آزمایا نہ جائے، جبکہ ہم نے ان سے پہلوں کو بھی اسی طرح آزمایا۔ (اس سب کا مقصود یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ جان لے کہ سچے ایمان والے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں؟"

علامہ خازن رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"{ الم أحسب الناس } أي أظن الناس { أن يتركوا } أي بغير اختبار وابتلاء { أن } أي بأن { يقولوا آمنا وهم لا يفتنون } أي لا يبتلون في أموالهم وأنفسهم كلا لنختبرنهم لنبين المخلص من المنافق والصادق من الكاذب"۔

"لوگوں نے گمان کر لیا ہے کہ ایمان لانے کے بعد انھیں ان کی جانوں اور مالوں میں آزمایا نہ جائے گا[۲]۔ نہیں ہرگز نہیں! ہم ضرور انھیں آزمائیں گے تاکہ مخلص کو منافق سے الگ چھانٹ کر رکھ دیں اور سچے کو جھوٹے سے علیحدہ کر رکھیں"۔[۳]

وہ کیا کیا مصائب ہیں جن کے ذریعے انھیں آزمایا جائے گا، تو اس کی بابت علامہ نسفی لکھتے ہیں:

"والفتنة الإمتحان بشدائد التكليف من مفارقة الأوطان ومجاهدة الأعداء وسائر الطاعات الشاقة وهجر الشهوات وبالفقر والقحط وأنواع المصائب في الأنفس والأموال ومصابرة الكفار على أذاهم وكيدهم۔ وروي أنها نزلت في ناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قد جزعوا من أذى المشركين ، أو في عمار بن ياسر وكان يعذب في الله"۔

"یہاں آزمائش کے دو مطالب ہیں؛ ایک مکلف کردہ چیزوں کی سختی ہے جیسے دین کی خاطر وطن چھوڑنا، دشمنانِ دین کے خلاف جہاد وقتال کرنا، مشکل احکامات پر عمل پیرا ہونا اور شہوات کو ترک کرنا، جبکہ دوسرا مطلب غربت، قحط سالی، جان ومال سے متعلق مختلف

---

[۲] میں نے ترجمے میں علامہ خازن کی مذکورہ عبارت کے ابتدائی حصے کا مفہوم ادا کیا ہے، اور آخری حصے کا مکمل ترجمہ کیا ہے جو پیش کرنا مقصود تھا۔

[۳] لباب التأويل في معاني التنزيل؛ سورة العنكبوت، الآية۱-۳

مصائب اور کفار کی اذیتوں اور مکروں کا سامنا کرنا ہے۔ مروی ہے کہ یہ آیت ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی جو مشرکین کی اذیتوں کا شکار ہوئے، یا یہ آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جنھیں راہِ خدا میں اذیت دی جاتی تھی"۔[۴]

پھر ایمان کے حساب سے یہ ابتلاء شدید تر ہوتی جاتی ہے، جس کا ایمان پختہ تر ہوتا ہے تو اس کی آزمائش بھی اسی قدر سخت ہوتی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"يَا رَسُول اللَّه! أَيّ النَّاس أَشَدّ بَلَاء؟"

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں میں سب سے زیادہ کون مصائب کے ذریعے آزمایا جاتا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

"الْأَنْبِيَاء، ثُمَّ الْأَمْثَل فَالْأَمْثَل، فَيُبْتَلَى الرَّجُل عَلَى حَسَب دِينه"۔

"سب سے زیادہ سختیوں سے انبیاء کو آزمایا جاتا ہے، پھر ان لوگوں کو جو مرتبے میں ان سے قریب ہوں۔ (بلاشبہ) انسان اپنی دینداری کے لحاظ سے آزمایا جاتا ہے"۔[۵]

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اہلِ ایمان جو اپنے ایمان کی صداقت کا ثبوت دینے کے لیے راہِ جہاد کا رخ کرتے ہیں تو انھیں دوسروں کی نسبت زیادہ آزمائشوں کا سامنا ہوتا ہے۔ اس راہ میں اٹھائے جانے والے ہر قدم پر ان کی آزمائش ہوتی ہے۔ اعزاء واقارب سے دوری، راستے کی سختیاں، گرفتاری واسیری کی اذیت، میدانِ کارزار کی مشکلات، گولیوں کی جھنکار، زخموں کا لگنا، شہادتوں کا ہونا___ یہ سب وہ آلام ہیں جن کا مجاہدین فی سبیل اللہ کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔

لہٰذا تمام مومنین کے لیے اور خاص طور پر راہِ جہاد کے راہیوں کے لیے یہ ایک ناگزیر موضوع ہے جس کی بابت دی گئی دینی تعلیمات سے انھیں ہر دم واقف رہنا چاہیے، تاکہ ایسے مواقع کی تیاری

---

[۴] مدارک التنزیل وحقائق التأویل؛ سورة العنكبوت، الآية ۱-۳

[۵] أخرجه النسائي والدارمي وابن ماجه وصححه الترمذي والحاكم وابن حبان

وقت سے پہلے کرلی جائے اور ان تعلیمات پر عمل پیرا ہوکر دنیا میں بھی رب تعالیٰ کے سامنے سرخروئی حاصل کی جائے اور آخرت میں بھی رب تعالیٰ کی رضاوخوشنودی کا مستحق ٹھہرا جائے۔

یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، مذکورہ تمہید ہی کی تفصیل ہے۔ اس کے مصنف کویت کے ممتاز عالمِ دین شیخ خالد بن عبد الرحمان الحسینان حفظہ اللہ ہیں جو اس وقت خود ارضِ جہاد میں موجود ہیں اور امت کی بیٹوں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے وہ اسباب بیان کیے ہیں جو بندۂ مومن کے لیے مصائب وآلام میں صبر وثبات کے مرہم کا کام دیتے ہیں اور اسے اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے فوز وفلاح کی منزل تک پہنچاتے ہیں۔

ادارۂ حطین کی اس کاوش کا مقصد یہ ہے کہ حالات کی سنگینی جس نہج پر جارہی ہے اور باطل قوتیں جس طرح دین کا نام لینے والوں اور اس کے دفاع میں کھڑے ہونے والوں کے خلاف سر توڑ کوششیں کررہی ہیں، ان کا مقابلہ کرنے کے لیے روحانی ساماں مہیا کیا جائے اور اس ساماں سے خود کو لیس کیا جائے۔ بلاشبہ منزل بہت عظیم ہے اور اس کو جانے والا راستہ انتہائی کٹھن ہے، رختِ سفر کی کمی ہے جس کو پورا کرنا ہماری ہی ذمہ داری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر شر سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھیں، ہر خیر سے ہمیں نوازیں، مشکلات کو آسانیوں میں تبدیل فرمادیں، عافیت کے سایے میں ہم سب کو ڈھانپ لیں اور دنیا میں بھی کامیابی عطا فرمائیں اور آخرت کی دائمی فلاح سے ہمیں ہمکنار فرمائیں، آمین۔ بے شک ہمیں اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے اور اپنے ربِ اعلیٰ وبرتر کے فضل ورحمت سے ہی کامل امید ہے۔

اللّٰهم رحمتک نرجو فلا تكلنا إلى أنفسنا طرفة عين، وأصلح لنا شأننا كله، لا إله إلا أنت۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين!

مدیرِ حطین

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه وسلم ...

مصائب وآلام کے مقابلے میں صبر وثبات اور عزم وشجاعت کے حصول کے لیے قوی ترین اسباب اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان، عملِ صالح، رجوع الی اللہ، دعاؤں کی کثرت، گریہ وزاری، عجز و انکساری اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاجت مندی کا اظہار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللهِ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾ (فاطر: 15)

"اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو بے پروا اور سب تعریفوں والا ہے"۔

شیخ عبد الرحمٰن سعدی رحمہ اللہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تبارک وتعالیٰ اس آیتِ کریمہ میں تمام انسانوں سے مخاطب ہے اور انھیں ان کی صفات وحالات سے خبر دار کر رہا ہے کہ بلاشبہ وہ ہر اعتبار سے اللہ ہی کے محتاج ہیں؛

- ان کے وجود بھی اللہ کے مرہونِ منت ہیں۔ اگر اللہ انھیں پیدا نہ کرتا تو وہ موجود ہی نہ ہوتے۔
- وہ حواسِ خمسہ اور اعضاء وجوارح مثلاً ہاتھ پاؤں وغیرہ کے ذریعے کوئی کام کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کے محتاج ہیں۔ اگر اللہ انہیں یہ سب نہ دیتا تو وہ کوئی کام کرنے کے قابل ہی نہ ہوتے۔
- وہ رزق اور ظاہری وباطنی نعمتوں تک رسائی میں بھی اللہ کے محتاج ہیں۔ اگر اس ذاتِ پاک کا فضل واحسان اور روزمرہ کے کاموں میں اس کی طرف سے آسانی نہ ملی ہوتی تو انھیں رزق اور نعمتیں ہرگز میسّر نہ آتیں۔
- مشکلات کو خود سے دور کرنے، پریشانیوں اور غموں سے نجات پانے کے لیے بھی تمام لوگ اللہ ہی کے محتاج ہیں۔ پس اگر وہ ان مشکلات کا سدِّباب نہ کرتا اور کرب والم

سے لوگوں کو نجات نہ دیتا اور ان کی تنگی دور نہ کرتا تو ان پر آزمائشوں اور سختیوں کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوتا۔

- تربیت وتدابیر کے معاملے میں بھی تمام انسان اللہ ہی کے محتاج ہیں۔
- اللہ تعالیٰ کی صفتِ الوہیت کی پہچان، اس کی محبت کو پانے اور خلوصِ نیت سے اس ذات باری تعالیٰ کی عبادت کرنے میں بھی لوگ اللہ رب العزت ہی کے محتاج ہیں۔ اگر وہ انھیں اس کی توفیق نہ دے تو وہ ہلاک ہو جائیں اور ان کی ارواح، قلوب اور حالات خرابی وبگاڑ کا شکار ہو جائیں۔
- ان اشیاء کے علم کے لیے جن سے وہ ناواقف ہیں اور اس عمل کے لیے جو ان کی اصلاح کرتا ہے، وہ اسی ذات کے محتاج ہیں کیونکہ اگر اس کی فراہم کردہ تعلیم نہ ہوتی تو وہ کبھی نہ سیکھ پاتے اور اس کی دی ہوئی توفیق نہ ہوتی تو وہ کبھی اصلاح یافتہ نہ ہو سکتے۔

پس تمام انسان ہر معنیٰ اور ہر لحاظ سے اللہ ہی کے محتاج ہیں، چاہے وہ بعض مواقع میں اس حاجت مندی کا شعور بھی نہ رکھتے ہوں۔ تاہم کامیاب وہی ہے جو اپنے تمام دینی ودنیوی کاموں میں اس فقر واحتیاج کے احساس اوراس ذات کے سامنے عاجزی اور مطلب برآری کے اظہار سے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی غفلت کا مظاہرہ نہ کرے، اپنے نفس کی باتوں میں نہ آئے اور تمام کاموں میں اسی کو مددگار سمجھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس محتاجی کے اظہار کو اپنا ہر وقت کا ساتھی بنالے۔ ایسی عادات کا اپنالینا ہی ہمیں اس پروردگار ومعبود کی مدد کا مستحق بناتا ہے جو اپنے بندے کے لیے ماں سے زیادہ مہربان ہے"۔[٦]

---

[٦] تيسير الكريم الرحمان في تفسير كلام المنان؛ سورة الحج، الآية ١٥

مصائب وآلام میں صبر وثبات کے چند اسباب

ذیل میں اُن چند اسباب اور وسائل کا ذکر کیا جاتا ہے جو ایک مسلمان کو مصیبتیں اور سختیاں برداشت کرنے میں مدد دیتے ہیں اور اس کی قوت واستقامت اور اطمینان وسکون کو مزید بڑھا دیتے ہیں۔

۱۔ سچا ایمان

اس سے مراد ایسا ایمان ہے جو مومن کے اعضاء وجوارح سے نیک اعمال کی صورت میں ظاہر ہو؛ ایسے نیک اعمال جو اس کے ایمان کی صداقت، اس کے دل کی سچائی اور اخلاص ویقین کی ترجمانی کرنے والے ہوں۔

- سچا ایمان اگر کسی کے دل میں رچ بس جائے تو اس کے اثرات اس ایمان والے کے دوسروں کے ساتھ برتاؤ اور معاملات میں ضرور ظاہر ہوتے ہیں۔
- سچا ایمان زبان سے اقرار کرنے، دل سے یقین رکھنے اور جسم وجان سے عمل کرنے کا نام ہے۔
- سچا ایمان اللہ تعالیٰ کے دین کو اس کے پیارے نبی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر لازم پکڑنے کا نام ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوٓا۟ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ﴾ (الحج: 38)

”بے شک اللہ تعالیٰ (ہر قسم کے شرور سے) ایمان والوں کی مدافعت فرماتا ہے، اور بے شک اللہ کسی دغاباز اور ناشکرے کو پسند نہیں کرتا“۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”هذا إخبار ووعد وبشارة من الله، للذين آمنوا، أن الله يدافع عنهم كل مكروه، ويدفع عنهم كل شر بسبب إيمانهم من شر الكفار وشر وسوسة

الشيطان وشرور أنفسهم وسيئات أعمالهم ويحمل عنهم عند نزول المكاره، ما لا يتحملون، فيخفف عنهم غاية التخفيف۔ كل مؤمن له من هذه المدافعة والفضيلة بحسب إيمانه، فمستقل ومستكثر"۔

"یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کے لیے اطلاع، وعدہ اور خوشخبری ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے ایمان پر قائم رہنے کی وجہ سے انھیں ہر طرح کی برائی اور ہر قسم کے شر سے بچاتا ہے؛ اللہ تعالیٰ انھیں کفار کے شر، شیطانی وساوس، نفسانی خواہشات اور برے اعمال کے شر سے محفوظ رکھتا ہے اور وہ مصیبتیں ان سے دور کرتا ہے جنھیں برداشت کرنے کی وہ سکت نہیں رکھتے، اور ان کا بوجھ ہلکا کر دیتا ہے۔

ہر مومن کو اس کے ایمان کے موافق ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرور کے خلاف مدافعت اور اللہ کے یہاں فضیلت نصیب ہوتی ہے؛ جس کا ایمان مضبوط ہو گا تو اسے مدافعت بھی زیادہ نصیب ہو گی"۔[۷]

یہی سچا اور پختہ ایمان مومنین کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے آگے جھک جاتے ہیں اور اس کی دی ہوئی خبروں کی سچائی پر ان کا ایمان اور اس کے وعدوں پر ان کا یقین اور بڑھ جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا﴾ (الأحزاب: 22)

"اور اہلِ ایمان نے جب (حملہ آور) فوجوں کو دیکھا تو انھوں نے کہا کہ یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا، اور اس سے ان کے یقین واطاعت میں مزید اضافہ ہو گیا"۔

---

[۷] تيسير الكريم الرحمان في تفسير كلام المنان: سورة الحج، الآية ٣٨

۲۔ تعلق باللہ

بے شک دنیا وآخرت میں ہماری سعادت وکامیابی اور نجات کا دارومدار اپنے رب کے ساتھ ہمارے تعلق کی نوعیت پر ہے۔ جب بھی بندہ اپنی زندگی کے نشیب وفراز میں اللہ سے تعلق کو مزید آراستہ کرتا ہے تو درحقیقت وہ کامیابی اور خوش نصیبی کی طرف قدم بڑھارہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَلَيْسَ اللهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ وَمَنْ يُضْلِلِ اللهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝ وَمَنْ يَهْدِ اللهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ أَلَيْسَ اللهُ بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ﴾ (الزمر:36)

”کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟ یہ لوگ ان معبودوں سے تمہیں ڈراتے ہیں جو اس کے سوا ہیں، اور جسے اللہ گمراہ کردے اسے کوئی راستہ دکھانے والا نہیں اور جسے وہ ہدایت دے کوئی اسے گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا اللہ زبردست بدلہ لینے والا نہیں ہے؟“

شیخ سعدی رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ:

”{أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ} أي: أليس من كرمه وجوده، وعنايته بعبده، الذي قام بعبوديته، وامتثل أمره واجتنب نهيه، خصوصا أكمل الخلق عبودية لربه، وهو محمد صلى اللّه عليه وسلم، فإن اللّه تعالى سيكفيه في أمر دينه ودنياه، ويدفع عنه من ناوأه بسوء. {وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ} من الأصنام والأنداد أن تنالك بسوء، وهذا من غيهم وضلالهم. {وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ} لأنه تعالى الذي بيده الهداية والإضلال، وهو الذي ما شاء كان وما لم يشأ لم يكن. {أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ} له العزة الكاملة التي قهر بها كل شيء، وبعزته يكفي عبده ويدفع عنه مكرهم. {ذِي انْتِقَامٍ} ممن عصاه، فاحذروا موجبات نقمته“۔

”﴿أَلَيْسَ اللهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾ ”کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے“یعنی کیا یہ اس ذاتِ باری تعالیٰ کا کرم اور اس کی سخاوت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کے دینی ودینوی کاموں میں کافی ہوجاتا ہے اور اس سے برائی کو دور کرتا ہے جس نے بندگی کا

حق ادا کر دیا ہو، اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کی ہو اور اس کے منع کردہ کاموں سے بچا رہاہو۔ خاص طور پر کامل ترین بندگی کی علامت حضرت محمد ﷺ کے دینی ودنیاوی امور میں تو اللہ تعالیٰ بطریقِ اولیٰ کافی ہے اور ان سے برائی کو دور فرماتا ہے۔ ﴿وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ﴾ "یہ لوگ ان (معبودوں) سے تمہیں ڈراتے ہیں جو اللہ کے سوا ہیں" یعنی بتوں سے اور ان سے جنھیں وہ اللہ کے برابر سمجھ بیٹھے ہیں تمہیں ڈراتے ہیں کہ وہ تمہیں نقصان پہنچادیں گے، جبکہ یہ ان کی گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ ﴿وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ وَمَن يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّضِلٍّ﴾ "اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی راستہ دکھانے والا نہیں اور جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں" کیونکہ اللہ ہی وہ ذاتِ عالی ہے جس کے ہاتھ میں ہدایت و گمراہی ہے اور وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ﴾ "کیا اللہ غالب نہیں ہے"! یقیناً تمام تر عزت اسی کے لیے ہے جس کے بل بوتے پر اس نے ہر چیز کو مغلوب کر رکھا اور اس کا یہ غلبہ بندے کے لیے کافی ہے اور لوگوں کے مکر و فریب سے اس کو بچاتا ہے۔ ﴿ذِي انتِقَامٍ﴾ "(کیا اللہ) بدلہ لینے والا (نہیں) ہے" ہر اس شخص سے جو اس کی نافرمانی کرے۔ پس تمہیں چاہئے کہ اس کے ناپسندیدہ کاموں سے بچو"۔[۸]

۳۔ قضاوقدر پر پختہ یقین رکھنا

قضاوقدر پر ایمان لانے کا سب سے بڑا فائدہ اطمینان وسکون اور روحانی تسکین ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ (القمر:49)

"بے شک ہم نے ہر چیز کو مقرر کر کے پیدا کیا"۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

---

[۸] تيسير الكريم الرحمان في تفسير كلام المنان؛ سورة الزمر، الآية ٣٦

"واعلَمْ أنَّ ما أخطَأَكَ لم يَكُن لِيُصِيبَكَ ، وما أصابَكَ لم يَكُن لِيُخطِئَكَ"۔

"(تقدیر پر ایمان یہ ہے کہ) تم جان لو کہ جو تم نے کھو دیا وہ تمہیں ملنے والا نہیں تھا اور جو تم نے پا لیا اسے تم کھونے والے نہیں تھے"۔[۹]

حافظ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ قضا وقدر کے حوالے سے مومن کے لیے مصائب میں دو طرح کے درجات ہیں:

پہلا درجہ: رضا بالقضاء

پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے اس فیصلے پر راضی ہو جائے، اور یہ بہت اونچا درجہ ہے[۱۰]۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلاَّ بِإِذْنِ اللهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللهِ يَهْدِ قَلْبَهُ﴾ (التغابن:۱۱)

"کوئی تکلیف بھی اللہ کے حکم کے بغیر نہیں پہنچتی ہے، اور جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہو اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے"۔

حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مصیبت ہے جو آدمی کو پیش آئے اور وہ یہ جانتے ہوئے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اس کی رضا پر راضی ہو۔ اسی طرح امام ترمذیؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا:

"إنَّ اللّه إذا أحبَّ قوماً ابتلاهم ، فمن رضي فله الرضا ، ومن سخط فله السخط"۔

---

[۹] أخرجه عبد بن حميد في مسنده من طريق عطاء بن أبي رباح عن ابن عباس رضي الله عنهما، وذكره النووي في رياض الصالحين والأربعين، وله شاهد عند الطبراني والحاكم

[۱۰] رضا بالقضاء سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اگر کوئی تکلیف پہنچے تو وہ اس تکلیف کی پرواہ نہ کرے اور یہ سوچتے ہوئے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے آئی ہے، وہ اس تکلیف پر راضی ہو جائے اور اس کے خاتمے کا خیال دل میں نہ لائے۔ اسی درجے کی یہاں بات ہو رہی ہے۔ مصیبت وتکلیف کی صورت میں دوسرا درجہ صبر کا ہے۔ ان دونوں درجوں میں پائے جانے والے فرق کو مصنف نے آگے چل کر واضح کیا ہے۔

”جب اللہ کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزماتا ہے۔ پس جو اس آزمائش پر راضی ہو جائے اس کے لیے اللہ کی رضا ہے، اور جو بیزاری کا اظہار کرے تو اس کے لیے اللہ کا غضب ہے“۔

اور نبی اکرم ﷺ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے:

”أسألكَ الرِّضا بعد القضاء“۔

”اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فیصلوں پر رضا کا طلبگار ہوں“۔[11]

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”بے شک اللہ تعالیٰ جب بھی کوئی حکم جاری فرماتے ہیں تو وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اس کی رضا پر راضی ہوا جائے۔ پس جو کوئی بھی رضا کے اس درجے کو پہنچ جائے تو اس کی پوری زندگی آرام وسکون سے گذرتی ہے“۔

دوسرا درجہ: صبر

دوسرا درجہ یہ ہے کہ مومن آزمائش پر صبر کرے اور یہ اس کے لیے ہے جو اللہ کے فیصلے پر رضامند ہونے کی استطاعت وہمت نہ رکھتا ہو۔ پس رضامندی کو اختیار کرنا بندۂ مومن کے لیے مستحب اور افضل ہے، اور صبر کرنا مومن کے لیے بہر صورت لازم ہے۔ صبر میں بہت زیادہ خیر وبھلائی ہے، اللہ نے صبر کرنے کا حکم دیا ہے اور اس پر بہت زیادہ اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر:10)

”بلاشبہ صبر کرنے والوں کو بے شمار اجر وثواب ملتا ہے“۔

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ (البقرة:155)

[11] السنة لابن أبي عاصم

”اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو، کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ ان لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے عنایتیں اور مہربانی ہے اور یہی لوگ راہِ راست پانے والے ہیں“۔

رضا بالقضاء اور صبر میں فرق

صبر کا مطلب یہ ہے کہ بندہ دردوالم کے باوجود اپنے آپ کو ہر قسم کی ناراضگی سے دور رکھے، اپنے اعضاء وجوارح یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ کو حرام کاموں سے باز رکھے اوراس کے ساتھ ساتھ اس تکلیف کے خاتمہ کی خواہش بھی کرے۔ جبکہ رضا یہ ہے کہ آدمی اللہ کے فیصلے پر راضی ہوجائے، خوشی سے خود کو جھکادے، اپنا سینہ اس فیصلے کے لیے کھول دے اور احساسِ تکلیف کے باوجود اس کے خاتمے کی طرف متوجہ نہ ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ رضا بالقضاء دردو الم کو یقین ومعرفت کی بدولت کم کردیتی ہے، اور اگر رضا قوی تر ہو تو تکلیف کا احساس بالکل نہیں رہتا۔

۴۔ صبر ایک بہترین معاون ہے

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (البقرۃ:153)

”اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“۔

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”(شرع الله تعالىٰ في بيان) الإرشاد إلى الإستعانة بالصبر والصلاة، فإن العبد إما أن يكون في نعمة فيشكر عليها، أو في نقمة فيصبر عليها؛ كما جاء في الحديث: "عجبًا للمؤمن. لا يقضي الله له قضاء إلا كان خيرًا له: إن أصابته سراء، فشكر، كان خيرًا له؛ وإن أصابته ضراء فصبر كان خيرًا له"۔

وبين تعالى أن أجود ما يستعان به على تحمل المصائب الصبر والصلاة، وفي الحديث كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا حَزَبَه(أي: إذا نزل به مُهِمّ أَو أَصابَه غمٌّ) صلى"۔

"اللہ تعالیٰ نے یہاں صبر اور نماز کے ذریعے مدد حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ پس بندۂ مومن کے لیے دو ہی راستے ہیں؛ ایک یہ کہ نعمت عطا ہونے کی صورت میں شکر کرے اور دوسرا یہ کہ سختی و تنگی کی صورت میں صبر کرے، جیسا کہ حدیث پاک ﷺ میں ارشاد ہوا ہے:

"مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اللہ اس کے حق میں جو فیصلہ بھی صادر فرماتے ہیں تو وہ اس کے لیے خیر ہی کا موجب ہوتا ہے۔ اگر اسے خوشحالی میسر آجائے اور وہ شکر کرے تو یہ اس کے لیے خیر و بھلائی ہے اور اگر وہ تنگ دستی کی لپیٹ میں آجائے اور صبر کرے تو یہ بھی اس کے لیے خیر ہے"۔

اللہ تعالی نے اس آیت کے ذریعے یہ واضح کیا ہے کہ بہترین اعمال جن سے مصائب کے وقت مدد لی جائے وہ صبر اور نماز ہیں۔ اورایک حدیث کے مطابق جب بھی کبھی نبی اکرم ﷺ کو کوئی اہم کام درپیش ہوتا یا کوئی غم لاحق ہوتا تو آپ ﷺ نماز ادا فرماتے تھے"۔[۱۲]

لہٰذا اے مسلمان بھائی! نبی ﷺ کی اس سنّت پر غور کرو۔ کیا تم اجتماعی، مالی یا جانی مصائب و مشکلات کے وقت نماز کی طرف رجوع کرتے ہو؟

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"واعلم أنَّ النَّصر مع الصَّبر"۔

"جان لو کہ مدد صبر کیساتھ ہے"۔[۱۳]

نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے:

---

[۱۲] تفسير ابن كثير؛ سورة البقرة، الآية ۱۵۳

[۱۳] المستدرك على الصحيحين للحاكم ومعجم الكبير للطبراني

﴿قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلاقُو اللهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ وَاللهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (البقرة:249)

"وہ لوگ کہنے لگے جنھیں یقین تھا کہ انھیں اللہ سے جاملنا ہے: بارہا ایسا ہوا ہے کہ تھوڑی سی جماعت بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب آئی ہے اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

دوسری جگہ اللہ پاک کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِئَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِئَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللهِ وَاللهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (الأنفال:66)

"پس اگر تم میں سے سو آدمی ثابت قدم ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنی عبس کے سرداروں سے پوچھا: "تم نے لوگوں کے خلاف کس چیز کی مدد سے قتال کیا؟" انھوں نے کہا: صبر کی مدد سے، ہم جس قوم کے خلاف بھی لڑے تو ہم نے ان کے مقابلے میں صبر کیا، جس طرح انھوں نے ہمارے مقابل صبر کیا۔

سلف صالحین رحمہم اللہ میں سے بعض نے کہا: "ہم سب موت اور زخموں کی تکلیف کو ناپسند تو کرتے ہیں لیکن ہم صبر کی بدولت (ان حالات میں بھی) سرخروئی پالیتے ہیں"۔

۵۔ خوشحالی میں اللہ کو یاد کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے:

" تعرَّف إلى اللّه في الرَّخاء، يعرفكَ في الشِّدَّةِ "۔

"خوشحالی کے وقت اللہ کو یاد رکھو، وہ تمہیں تنگی میں یاد رکھے گا"۔[۱۴]

---

[۱۴] المستدرک على الصحيحين للحاكم ومعجم الكبير للطبراني

حافظ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں:

"أنَّ العبدَ إذا اتَّقى الله ، وحَفِظَ حدودَه ، وراعى حقوقه في حال رخائه ، فقد تعرَّف بذلك إلى الله ، وصار بينه وبينَ ربه معرفةٌ خاصة ، فعرفه ربَّه في الشدَّة ، ورعى له تَعَرُّفَهُ إليه في الرَّخاء ، فنجَّاه من الشدائد بهذه المعرفة، وهذه معرفة خاصة تقتضي قربَ العبدِ من ربِّه ، ومحبته له، وإجابته لدعائه .

فمعرفة العبد لربه نوعان :

أحدُهما : المعرفةُ العامة ، وهي معرفةُ الإقرار به والتَّصديق والإيمان ، وهذه عامةٌ للمؤمنين .

والثاني : معرفة خاصة تقتضي ميلَ القلب إلى الله بالكلية ، والإنقطاع إليه ، والأُنس به ، والطمأنينة بذكره ، والحياء منه ، والهيبة له ، وهذه المعرفة الخاصة هي التي يدور حولها العارفون ، كما قال بعضهم: مساكينُ أهلُ الدُّنيا ، خرجوا منها وما ذاقوا أطيبَ ما فيها ، قيل له: وما هو؟ قال: معرفةُ الله عز وجل".

"بے شک بندہ جب اللہ سے ڈرتا ہے، اس کی نافذ کردہ حدود کی حفاظت کرتا ہے اور آسودگی میں اس کے حقوق ادا کرتا ہے تو گویا وہ اللہ کو یاد کر رہا ہوتا ہے، اور اس طرح اس کے اور اللہ کے درمیان ایک خاص قسم کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ پس اللہ بھی بندے کی مشکلات میں اسے یاد رکھتا ہے، خوشحالی کے زمانے میں اسے اپنی یاد کی توفیق عطا فرماتا ہے، اور معرفت کے اس تعلق کی بدولت اسے مشکلات سے نجات دیتا ہے۔ پھر یہی خاص معرفت بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب کا باعث بنتی ہے اور اسے مستجاب الدعوات بنا دیتی ہے۔

پس رب کی معرفت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: معرفتِ عام

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنا، اس کی تصدیق کرنا اور اس پر ایمان لانا ہے۔ معرفت کی یہ قسم تمام مسلمانوں کو حاصل ہے۔

دوسری قسم: معرفتِ خاص

خاص معرفت یہ ہے کہ بندۂ مومن کا دل کلّی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہو جائے، وہ اسی کے ساتھ لو لگائے، اسی ذات سے محبت رکھے، اس کے ذکر سے اطمینان حاصل کرے، اسی سے حیا کرے اور صرف اسی ذات باری تعالیٰ سے خوف کھائے۔

یہی وہ معرفتِ خاص ہے جس کے لیے عارفین سرگرداں رہتے ہیں، جیسا کہ ان میں سے بعض نے کہا: ''دنیا والے مسکین ہیں کیونکہ وہ اس حال میں دنیا سے رخصت ہو گئے کہ انھوں نے پاکیزہ ترین چیز کا ذائقہ تک نہیں چکھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ وہ کیا چیز ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: اللہ عزّوجلّ کی معرفت!''[۱۵]

امام ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''من سرَّه أنْ يستجيب الله له عندَ الشَّدائد، فليُكثرِ الدُّعاءَ في الرَّخاء''۔

''جسے یہ پسند ہے کہ اللہ مشکلات میں اس کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت سے نوازے تو اسے چاہیے کہ وہ آسودگی (آرام وسکون کی حالت میں) میں کثرت سے دعا کیا کرے''۔

٦- اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا

تقویٰ سے مراد اللہ کے غضب اور اس کی سزا سے بچنے کے لیے اس کی اطاعت اختیار کرنا، اس کے احکامات بجا لانا اور اسکے منع کردہ کاموں سے دور رہنا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجاً ﴾ (الطلاق:2)

''اور جو کوئی بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

''يُنجيه من كُلِّ كَربٍ في الدنيا والآخرة''.

---

[۱۵] جامع العلوم والحكم بشرح خمسين حديثا من جوامع الكلم

”اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت کی ہر پریشانی سے بچائے گا“۔[16]

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنۡ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ يُسۡرًا ﴾ (الطلاق:4)

”جو شخص بھی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے کام میں آسانی پیدا فرمادے گا“۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”أي يسهل له أمره، وييسره عليه، ويجعل له فرجا قريبًا ومخرجًا عاجلا“.

”اللہ تعالیٰ اس کے کام کو اس کے لیے آسان بنادے گا اور اس کے لیے فوری نجات اور مشکل سے جلد رہائی کا وسیلہ پیدا کردے گا“۔[17]

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے تھے:

”اللّٰهم إني أسألك الهدٰى والتقٰى والعفاف والغنٰى“۔

”اے اللہ میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاک دامنی اور استغنا (مخلوق سے بے نیازی) کا سوال کرتا ہوں“۔[18]

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فمن عامل الله بالتقوى والطاعة في حال رخائه، عامله الله باللطف والإعانة في حال شدَّته“۔

”جو شخص اپنی خوشحالی کے دور میں اللہ سے ڈرے گا اور فرمانبرداری اختیار کرے گا تو اللہ اس کی تنگی کے زمانے میں اس کے ساتھ لطف وکرم اور اعانت کا معاملہ فرمائے گا“۔[19]

---

[16] تفسير ابن كثير: سورة الطلاق، الآية ۲

[17] تفسير ابن كثير: سورة الطلاق، الآية ۴

[18] رواه مسلم في صحيحه

[19] جامع العلوم والحكم بشرح خمسين حديثا من جوامع الكلم

۷۔مایوسی اور نا امیدی (قنوط) سے بچنا

قنوط کی تعریف راحت وخوشی کو خود سے دور سمجھنا اور اللہ کی رحمت سے نا امید ہو جانا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴾ (الحجر:56)

"حضرت ابراہیم عَلَیہِ السَّلام نے کہا: اور اپنے رب کی رحمت سے صرف گمراہ لوگ ہی نا امید ہوتے ہیں"۔

سید قطب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وبرزت كلمة { الرحمة } وبرزت معها الحقيقة الكلية : أنه لا يقنط من رحمة ربه إلا الضالون . الضالون عن طريق الله ، الذين لا يستروحون روحه ، ولا يحسون رحمته ، ولا يستشعرون رأفته وبره ورعايته . فأما القلب الندي بالإيمان ، المتصل بالرحمن ، فلا ييأس ولا يقنط مهما أحاطت به الشدائد ، ومهما ادلهمت حوله الخطوب ، ومهما غام الجو وتلبد ، وغاب وجه الأمل في ظلال الحاضر وثقل هذا الواقع الظاهر.. فإن رحمة الله قريب من قلوب المؤمنين المهتدين".

"یہاں لفظ 'رحمت' سے ہی حقیقت خوب آشکارا ہو جاتی ہے کہ اللہ کی رحمت سے صرف گمراہ لوگ ہی نا امید ہوتے ہیں، ایسے لوگ جو اللہ کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں، ایسے لوگ جو اس کی رحمت کی طرف نہیں لپکتے اور نہ ہی اس کی رحمت وکرم کو محسوس کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس ذات باری تعالیٰ کی نرمی، عمدہ برتاؤ اور رعایت کا شعور بھی نہیں رکھتے۔ البتہ ایسے لوگ جن کا دل ایمان سے سرشار ہو، رحمٰن سے جڑا ہوا ہو تو وہ امید کا دامن ہرگز نہیں چھوڑتے اور ہرگز مایوس نہیں ہوتے، خواہ وہ کتنی ہی سختیوں اور مشکلات میں گھرے ہوئے ہوں، چاہے انہیں کتنی ہی نکتہ چینیوں اور مخالفتوں کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے، فضا ان کے لیے ناساز گار ہی کیوں نہ ہو، چاہے امید کا کوئی سرا بھی ہاتھ میں نہ ہو اور امید پر قائم رہنا بھی حالات کے تناظر میں بہت بھاری معلوم ہوتا ہو۔

پس جان لو کہ اللہ کی رحمت مومنوں اور ہدایت پا جانے والے لوگوں کے دلوں سے بہت قریب ہے"۔[۲۰]

ذیل میں ان چند امور کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو ایک مسلمان کو سخت ترین حالات میں بھی مایوسی و ناامیدی سے روکے رکھتے ہیں:

۱. اللہ کے فیصلوں پر پختہ یقین ہونا اور اس بات کا ایقان ہونا کہ جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اچھی اور بری تقدیر کے منجانب اللہ ہونے پر یقین رکھنا ایمانِ کامل اور عقیدۂ صحیحہ کا جزو ہے۔

۲. اللہ کے وعدوں پر ایمان ہونا، اطاعت گزاروں کے لیے اس کی نصرت اور دشمنوں کے مقابلے میں مدافعت پر یقین ہونا۔ بلاشبہ اللہ اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا لیکن وہ اپنے بندوں کو آزماتا ضرور ہے۔ اللہ بزرگ وبرتر کا ارشاد ہے: ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الروم:47) "اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم ہے"۔

۳. یہ بات خاطر نشیں رکھنا کہ ناامیدی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت وعیدیں نازل ہوئی ہیں کیونکہ یہ اللہ کی رحمت سے مایوسی کا اظہار ہے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی ہے اور اس کے وعدے اور نصرت کے عدمِ یقین کی علامت ہے۔ ایسا صرف گمراہ لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ مومن تو ہرگز ناامیدی کے مرض کا شکار نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ﴿وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ﴾ میں ذکر ہوا تھا۔

۸۔ رحمتِ باری تعالیٰ کا شعور رکھنا

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

---

[۲۰] في ظلال القرآن؛ سورة الحجر، الآية ٥٦

﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (الفاطر:2)

"اللہ جس رحمت کا دروازہ لوگوں کے لیے کھول دے اس کو روکنے والا کوئی نہیں اور جس (رحمت) کو وہ روک دے، اس کے علاوہ کوئی بھیجنے والا نہیں، وہ غالب حکمت والا ہے"۔

سید قطب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"في كل أمر وفي كل وضع ، وفي كل حال .. ولا يصعب القياس على هذه الأمثال! ومن رحمة الله أن تحس برحمة الله! فرحمة الله تضمك وتغمرك وتفيض عليك . ولكن شعورك بوجودها هو الرحمة. ورجاؤك فيها وتطلعك إليها هو الرحمة. وثقتك بها وتوقعها في كل أمر هو الرحمة.

العذاب هو العذاب في احتجابك عنها أو يأسك منها أو شكك فيها . وهو عذاب لا يصبه الله على مؤمن أبداً : { إنه لا ييأس من روح الله إلا القوم الكافرون }

ورحمة الله لا تعز على طالب في أي مكان ولا في أي حال .

وجدها إبراهيم عليه السلام في النار.

ووجدها يوسف عليه السلام في الجب كما وجدها في السجن .

ووجدها يونس عليه السلام في بطن الحوت في ظلمات ثلاث .

ووجدها موسى عليه السلام في اليم وهو طفل مجرد من كل قوة ومن كل حراسة ، كما وجدها في قصر فرعون وهو عدو له متربص به ويبحث عنه .

ووجدها أصحاب الكهف في الكهف حين افتقدوها في القصور والدور . فقال بعضهم لبعض : { فأووا إلى الكهف ينشر لكم ربكم من رحمته }

ووجدها رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وصاحبه في الغار والقوم يتعقبونهما ويقصون الآثار.

ووجدها كل من آوى إليها يأساً من كل ما سواها . منقطعاً عن كل شبهة في قوة ، وعن كل مظنة في رحمة ، قاصداً باب الله وحده دون الأبواب". انتهى بتصرف۔

"ہر معاملے میں اور ہر طرح کے حالات اور مواقع پر اللہ کی رحمت کی مثالیں ملتی رہتی ہیں۔ یہ بھی اللہ ہی کی رحمت ہے کہ لوگ اس کی رحمت کا ادراک رکھتے ہیں۔ بے شک اللہ کی رحمت تو ہر دم لوگوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے اور سب پر چھائی ہوئی ہے، البتہ تمہارا اس بات کا شعور رکھنا تمہارے حق میں رحمت ہے، اس رحمت سے امید رکھنا تمہارے لیے رحمت ہے، اور ہر معاملے میں اس رحمت پر بھروسہ رکھنا تمہارے حق میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

وبال تو درحقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تم پر مخفی رہے یا یہ کہ تم اس سے کتراؤ یا اس سے مایوس ہو جاؤ، یا اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جاؤ۔ یہ ایسا عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ مومن بندے پر کبھی مسلط نہیں فرماتا:

﴿إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾ (يوسف:87)

"بلاشبہ اللہ کے فیض سے صرف کافر ہی ناامید ہوتے ہیں"۔

ایک اور بات ذہن میں رہے کہ اللہ کی رحمت کا طلبگار کسی بھی جگہ اور کسی بھی حال میں اس کی رحمت سے دور نہیں ہو سکتا، مثلاً:۔

- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی رحمت کو آگ میں پایا تھا۔
- حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے گہرے کنویں اور جیل میں محسوس کیا تھا۔
- حضرت یونس علیہ السلام اس رحمت سے مچھلی کے پیٹ میں فیض یاب ہوئے تھے۔
- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے بہتی ہوئی ندی میں پایا تھا، اس حال میں کے وہ چھوٹے سے بچے تھے اور ان کے لیے کوئی بھی قوت اور حفاظت کا سامان میسر نہ تھا۔ اسی طرح انھوں نے اسے فرعون کے محل میں پایا تھا، جب وہ ان کا دشمن اور متلاشی تھا۔

- اصحابِ کہف نے اس رحمت کے لمس کو اس وقت غار میں محسوس کیا تھا جب گردشِ زمانہ اور شاہی محلات اس احساس سے بالکل عاری تھے۔ پس انھوں نے آپس میں کہا: ﴿فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ﴾ (الکهف: 16) "چلو اب تم اس غار میں پناہ لے لو، تمہارا پروردگار تمہارے لیے اپنا دامنِ رحمت پھیلا دے گا"۔
- اور اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ اور ان کے ساتھی (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے اسے غار میں پایا تھا جبکہ پوری قوم ان کا پیچھا کر رہی تھی اور ان کے آثار ڈھونڈ رہی تھی۔
- اور ہر اُس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو پالیا جس نے ہر طرف سے نظریں پھیرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے طاقتور ہونے میں شک کیے بغیر اور اس کی رحمت کے متعلق بدگمانی سے بچتے ہوئے صرف اسی کے در کا سوالی بن کر اس کی طرف رجوع کیا"۔[۲۱]

مصائب ومشکلات میں اور اہم کاموں کے بجالاتے ہوئے دعا کا اہتمام کرنا

اللہ کی ہم پر ایک رحمت یہ بھی ہے کہ اس نے ہمارے لیے کچھ اذکار اور دعائیں تجویز کی ہیں، جب کوئی مسلمان ان دعاؤں کو مشکل حالات اور تکالیف میں پڑھتا ہے اور انہیں دہراتا ہے تو اللہ کی رحمت اس پر نازل ہوتی ہے اور اس کے لیے ہر وہ کام آسان ہو جاتا ہے جس میں اسے تنگی ودشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ پس اِن اذکار کو اپنے اوپر لازم کر لو، ہر وقت، ہر لمحہ اور صبح وشام یہاں تک کہ اپنے سجدوں میں بھی ان اذکار کا ورد جاری رکھو۔ ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ « اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ عَبْدُكَ , اِبْنُ عَبْدِكَ , اِبْنُ أَمَتِكَ , نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ , مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ , عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ , أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ , سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ, أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِيْ كِتَابِكَ, أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ, أَوْ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ, أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ, وَنُوْرَ صَدْرِيْ ، وَجَلَاءَ حُزْنِيْ, وَذَهَابَ هَمِّيْ »

---

[۲۱] في ظلال القرآن؛ سورة الفاطر، الآية ٢

"اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، تیرا حکم مجھ پر جاری ہے، میرے بارے میں تیرا فیصلہ انصاف ہے، میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کی بدولت سوال کرتا ہوں جو تو نے خود رکھا ہے یا اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا اپنے پاس علم الغیب میں رکھنے کو ترجیح دی ہے۔ (پس میری تو یہ التجا ہے کہ) تو قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے سینہ کا نور، میرے غم کو مٹانے والا اور پریشانیوں کو دور کرنے والا بنا دے"۔

۲۔ « اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ , وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ , وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ , وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ »

"اے اللہ! بے شک میں تیری پناہ چاہتا ہوں پریشانی اور غم سے، عاجز ہو جانے اور کاہلی سے، بزدلی اور بخل سے، قرض کے بوجھ اور لوگوں کے تسلط (وغلبہ) سے"۔

۳۔ « لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ , لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ , لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ »

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ برتر اور بردبار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرشِ عظیم کا رب ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آسمان وزمین اور عرشِ کریم کا رب ہے"۔

۴۔ « اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو فَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ , وَأَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ, لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ »

"اے اللہ! میں تیری ہی رحمت کا امیدوار ہوں، مجھے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے سپرد نہ فرما اور میرے تمام کام سنوار دے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں"۔

۵۔ « لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ »

"تیرے سوا کوئی الہ نہیں، تو بے عیب ہے، بے شک میں گنہگاروں میں سے تھا"۔

۶۔ « اللهُ اللهُ رَبِّيْ لَا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا »

"اللہ میرا پالنہار ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا"۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ یہ دعا کثرت سے پڑھتے تھے:

۷۔ « اَللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ، وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ ، وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ»
(رواه البخاري ومسلم)

”اے میرے اللہ !مجھے دنیا میں بھلائی عطا فرما،اور آخرت میں بھلائی عطا فرما اور مجھے آگ کے عذاب سے بچا“۔ مسلم نے اپنی روایت میں اضافہ کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب کبھی دعا کا ارادہ فرماتے تو یہی دعا مانگتے تھے۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرنا

توکل کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ جائز کوششوں کے ساتھ ساتھ اپنے دینی ودنیوی کاموں میں اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھے۔ لہٰذا توکل اعتقاد، اعتماد اور عمل؛ تین چیزوں کا نام ہوا۔ اعتقاد سے مراد ہے کہ بندہ یہ ذہن نشین رکھے کہ تمام احکام اللہ تبارک وتعالیٰ کے تابع ہیں،جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور وہ جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہو سکتا اور اللہ عزّوجلّ ہی فائدہ دینے والی، نقصان پہچانے والی، عطا کرنے والی اور روکنے والی ذات ہے۔ اس اعتقاد کے بعد اپنے دل کی گہرائیوں کے ساتھ اللہ پر اعتماد کرے اور اس پر انتہائی درجے کا یقین رکھے۔ ان دونوں مراحل کے بعد تیسرے کی باری آتی ہے اور وہ ہے عمل؛ یعنی اس کام کے سلسلے میں ہر ممکن اور جائز اسباب اختیار کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ (الطلاق:3)

”اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ رکھے تو وہ اس کے لیے کافی ہے،یقیناً اللہ اپنا کام پورا کرتا ہے، تحقیق اللہ نے ہر چیز کا کو مقرر کر رکھا ہے“۔

جو کوئی اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ اس کے تمام کاموں میں اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے، بے شک اللہ ہی اس کے کام کو انجام تک پہنچانے والا ہے،اس سے کوئی بھول نہیں ہوتی اور کسی بھی قسم کا سوال اسے عاجز نہیں کر سکتا، بے شک اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک مدت مقرر کی ہے جس

کے پورا ہونے کے بعد اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کیا ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"حسبنا الله ونعم الوكيل قالها إبراهيم حين ألقي في النار وقالها محمد حين قالوا له : إن الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم إيمانا وقالوا : حسبنا الله ونعم الوكيل".

"(ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے)؛ ان کلمات کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے اس وقت ادا کیا جب انہیں آگ میں ڈالا گیا اور حضرت محمد ﷺ نے اس وقت ادا کیا جب لوگوں نے کہا کہ اہلِ مکہ نے تمہارے مقابلے کے لیے بہت زیادہ سازو سامان اکٹھا کیا ہے، لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ان سے ڈرو تو (یہ سن کر) ان کا ایمان مزید بڑھ گیا، اور وہ بولے کہ ہم کو اللہ ہی کافی ہے اور وہ کیا ہی خوب کارساز ہے"۔

۱۰۔ قرآنِ مجید کی آیتِ کریمہ میں مذکور چند اسباب

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلَحُونَ وَأَطِيعُوا اللهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴾ (الأنفال:45, 46)

"اے ایمان والو! جب کسی فوج سے لڑو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم ہمت ہار جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اطمینان و سکون حاصل کرنے کے چار اسباب بیان فرمائے ہیں:

اول: ثابت قدمی

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہمیں ثابت قدمی کا سبق دیتا ہے کہ:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾

(الصف:4)

”اللہ ان لوگوں کو اپنا محبوب رکھتا ہے جو صف بستہ لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں“۔

دوم: کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہمیں یہی بات بتلاتا ہے کہ:

﴿أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد:28)

”سنتے ہو!!! اللہ کی یاد ہی سے دِل اطمینان حاصل کرتے ہیں“۔

سوم: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت

اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَنْظُرُوْنَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأَوْلٰى لَهُمْ ۝ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ﴾ (محمد:20,21)

”پھر جب کوئی جچی تلی سورت نازل ہو جائے اور اس میں لڑائی کا ذکر ہو تو جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے، تم انھیں دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف اس طرح نظریں اٹھائے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو، بڑی خرابی ہے ایسے لوگوں کی۔ پس ان کے لیے بہتر ہے کہ فرمانبرداری کریں اور اچھی بات کہیں“۔

چہارم: لڑائی جھگڑے سے بچنا، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا اور محبت سے رہنا

اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران:103)

"اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو"۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا گمان رکھنا

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

" لا يموتن أحد منكم إلا وهو حسن الظن بالله تعالى "۔

"تم میں سے ہر ایک کو موت اس حال میں آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھتا ہو"۔ [۲۲]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"والله الذي لا إله إلا هو ما أعطي عبد مؤمن قط شيئًا خير من حسن الظن بالله. والله الذي لا إله إلا هو لا يحسن عبد الظن إلا أعطاه الله ظنه، وذلك أن الخير في يديه"۔

"قسم اس ذاتِ باری کی کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں! بندۂ مومن کو (دنیا میں) اپنے اللہ سے حسنِ ظن رکھنے سے بہتر کوئی چیز عطا نہیں فرمائی گئی۔ قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! بندہ جب اپنے اللہ سے اچھا گمان رکھتا ہے، تو اللہ اسے وہی عطا فرما دیتا ہے، کیونکہ خیر و بھلائی تو اللہ ہی کے ہاتھوں میں ہے"۔ [۲۳]

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"لا يمنعن أحد من الدعاء ما يعلم من نفسه، فإن الله تعالى قد أجاب دعاء شر الخلق إبليس {قَالَ أَنظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ} [۲۴]"۔

"تم میں سے کسی شخص کو بھی اپنے گناہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے سے باز نہ رکھیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ (تو وہ عالی ذات ہے جس) نے بد ترین مخلوق ابلیس کی دعا بھی قبول فرمائی ہے:

---

[۲۲] رواه مسلم في صحيحه

[۲۳] شرح صحيح البخاري لابن بطال

[۲۴] الأعراف: ۱۴،۱۵

﴿شیطان نے کہا: مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے، اللہ نے فرمایا: (جا!) تجھے مہلت دے دی گئی﴾"۔[۲۵]

نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"يقول الله عز وجل: أنا عند ظن عبدي بي وأنا معه حين يذكرني إن ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي وإن ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ هم خير منهم وإن تقرب مني شبرا تقربت إليه ذراعا وإن تقرب إلي ذراعا تقربت منه باعا وإن أتاني يمشي أتيته هرولة "۔

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں بندے کے ساتھ اسی طرح معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے بارے میں گمان رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے محفل میں یاد کرے تو میں اسے (اس محفل سے) بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھے تو میں اس کی طرف ایک گز بڑھتا ہوں اور اگر وہ ایک گز میری طرف بڑھے تو میں دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ جتنا بڑھتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف چلتا ہوا آئے تو میں اس کی طرف دوڑتا ہوا آتا ہوں"۔[۲۶]

امام نوویؒ اس حدیثِ قدسی کی شرح میں لکھتے ہیں:

"قوله عز وجل : { أنا عند ظن عبدي بي } قال القاضي : قيل : معناه بالغفران له إذا استغفر، والقبول إذا تاب ، والإجابة إذا دعا ، والكفاية إذا طلب الكفاية . وقيل : المراد به الرجاء وتأميل العفو ، وهذا أصح. قوله تعالى :{ وأنا معه حين يذكرني } أي معه بالرحمة والتوفيق والهداية والرعاية."

"اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد { أنا عند ظن عبدي بي } کے ذیل میں قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: کچھ حضرات کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ جب میرا بندہ مجھ سے معافی

---

[۲۵] شرح صحيح البخاري لابن بطال

[۲۶] رواه مسلم في صحيحه

مانگے تو اس کی مغفرت کرتا ہوں، جب توبہ کرے تو قبول کرتا ہوں، جب پکارے تو جواب دیتا ہوں اور جب پناہ مانگے تو پناہ عطا کرتا ہوں۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب اللہ تعالیٰ سے اچھی امید اور درگزر کی خواہش رکھنا ہے اور یہ زیادہ صحیح ہے۔
اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد { وأنا معه حين يذكرني } "اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے" کا مطلب اللہ تعالیٰ کی رحمت، توفیق، ہدایت اور حفاظت کا ساتھ ہونا ہے"۔[۲۷]

۱۲۔ مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا نفس الله له كربة من كرب يوم القيامة، ومن يسر على معسر يسر الله عليه في الدنيا والآخرة، ومن ستر مسلماً ستره الله في الدنيا والآخرة، والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه"۔
"جس نے اس دنیا میں کسی مومن کی تکلیف کو دور کیا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی تکلیفوں سے رہائی دے گا۔ اور جس نے کسی تنگدست کے لیے آسانی پیدا کی تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کے لیے آسانی پیدا فرمائے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کے عیب کو چھپایا، اللہ دنیا و آخرت میں اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ بندے کی مدد کرتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہے"۔[۲۸]
امام نووی اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:
"فيه فضل قضاء حوائج المسلمين ونفعهم بما تيسر من علم أو مال أو معاونة أو إشارة بمصلحة أو نصيحة أو غير ذلك. ومعنى تنفيس الكربة إزالتها"۔

---

[۲۷] شرح النووي على مسلم

[۲۸] رواه مسلم في صحيحه

"اس حدیث میں مسلمانوں کی حاجتوں کو پورا کرنے، انھیں اپنے علم اور مال سے فائدہ پہنچانے، ان کے ساتھ معاونت کرنے، ان کی خیر خواہی کی نشاندہی کرنے اور نصیحت کے ذریعے نفع پہچانے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حدیث میں مذکور "تنفیس الکربۃ" سے مراد دوسروں سے تکلیف، پریشانی اور غم کو زائل کرنا ہے۔[٢٩]

اے مسلمان بھائی! یاد رکھو کہ بدلہ تو عمل کے مطابق ہی ملتا ہے۔ جیسے تم مسلمانوں سے تکالیف کو دور کرنے، ان کے لیے آسانیاں پیدا کرنے اور ان کے دینی ودنیوی امور میں ان کی اعانت کرنے کے لیے کوششیں کر رہے ہوتے ہو اور اس کام میں حریص ہوتے ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں مشکلات سے نجات دیتا ہے، تمہارے معاملات میں آسانی پیدا فرماتا ہے اور تمہارے دینی ودنیوی امور میں اپنی رحمت اور فضل وکرم کے ساتھ تمہارا مددگار بنتا ہے۔

١٣۔ نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام کی کثرت

پریشانیوں اور غموں سے نجات اور بند دروازے کھولنے کے وسائل میں سے ایک وسیلہ نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود بھیجنا ہے۔ لیکن اس کام سے بہت سے مسلمان غفلت برتتے ہیں۔ امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"من مواطن الصلاة عليه عند الهم والشدائد وطلب المغفرة لحديث الطفيل بن أبي بن كعب عن أبيه قال كان رسول الله إذا ذهب ثلثا الليل قام فقال يا أيها الناس اذكروا الله جاءت الراجفة تتبعها الرادفة جاء الموت بما فيه جاء الموت بما فيه قال أبي قلت يا رسول الله إني أكثر الصلاة عليك فكم أجعل لك من صلاتي فقال ما شئت قال قلت الربع قال ما شئت فإن زدت فهو خير لك قلت النصف قال ما شئت فإن زدت فهو خير لك قال قلت فالثلثين قال ما شئت فإن زدت فهو خير لك قال أجعل لك صلاتي كلها قال إذا تكفى همك ويغفر لك ذنبك۔ رواه

[٢٩] شرح النووي على مسلم

الترمذي من حديث عبد الله بن محمد بن عقيل عن الطفيل عن أبيه وقال حديث حسن۔

وسئل شيخنا أبو العباس عن تفسير هذا الحديث فقال كان لأبي بن كعب دعاء يدعو به لنفسه فسأل النبي هل يجعل له منه ربعه صلاة عليه فقال إن زدت فهو خير لك فقال له النصف فقال إن زدت فهو خير لك إلى أن قال أجعل لك صلاتي كلها أي أجعل دعائي كله صلاة عليك قال إذا تكفى همك ويغفر لك ذنبك لأن من صلى على النبي صلاة صلى الله عليه بها عشرا ومن صلى الله عليه كفاه همه وغفر له ذنبه هذا معنى كلامه رضي الله عنه"۔

"آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے مواقع میں غم و حزن، مشکلات اور طلبِ مغفرت کے وقت درود پڑھنا بھی شامل ہے۔ حضرت طفیل اپنے والد حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

"رسول اللہ ﷺ تہائی رات گزرنے کے بعد اٹھے اور فرمایا: اے لوگو! اللہ کا ذکر کرو۔ میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں تو میں اپنی دعا کا کتنا حصّہ آپ کے لیے رکھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا تم چاہو۔ میں نے کہا: چوتھائی حصّہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا تم چاہو اور اگر تم زیادہ کردو تو تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا نصف حصّہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا تمہارا دل کرے اور اگر تم بڑھا دو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا تہائی حصہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو تمہارا جی چاہے اور اگر تم بڑھا دو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے کہا کہ میں اپنی پوری دعا میں آپ ﷺ پر درود پڑھوں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ایسی بات ہے تو یہ تمہاری مشکلات کے خاتمے کے لیے کافی ہو گا اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے"۔

ہمارے شیخ ابو عباسؒ (یعنی امام ابن تیمیہؒ) سے اس حدیث کی تفسیر کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ اپنی ذات کے حوالے سے دعا مانگا کرتے تھے تو انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا میں اپنی

دعا کا چوتھا حصّہ آپ پر درود پڑھ لیا کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر بڑھا دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ انھوں نے کہا: نصف حصّہ؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر بڑھا دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، یہاں تک کہ انھوں نے کہا: میں اپنی پوری دعامیں آپ کے لیے درود پڑھوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تب تو یہ تمہارے لیے کافی ہو گا اور تمہارے گناہوں کی بخشش کا سامان ہو جائے گا۔ کیونکہ جو کوئی بھی نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالی اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے اور جس پر اللہ رحمت بھیجے تو وہ اس کے غموں کے ازالہ اور گناہوں کی مغفرت کے لیے کافی ہے۔ یہی حدیث کا معنی و مفہوم ہے"۔[۳۰]

اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے، اور امام حاکمؒ اسے صحیح قرار دیا ہے۔

امام احمدؒ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قال رجل يا رسول الله! أرأيت إن جعلت صلواتي كلها عليك ؟ قال : " إذا يكفيك الله تبارك وتعالى ما أهمك من دنياك وآخرتك "۔ (قال المنذري : وإسناد هذه جيد انتهى)

"ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں کہ میں اپنی دعاؤں اور اذکار کا تمام حصّہ آپ ﷺ پر درود بھیجا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تب تو اللہ تمہارے دینی و دنیوی معاملات میں کافی ہو جائے گا"۔

۱۴۔ مظلوم و مغلوب مسلمانوں کے حق میں غائبانہ دعا کرنا

بند دروازوں کو کھولنے اور پریشانیوں اور غموں سے نجات کے اسباب میں سے ایک سبب دوسروں کی تکالیف اور غموں کے خاتمے کی دعا کرنا بھی ہے۔

[۳۰] جلاء الأفهام في فضل الصلوٰة على محمد خير الأنام

اے بھائی! کیا تم نے اپنی دعاؤں کا ایک حصّہ بھی اپنے ان بھائیوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے جو ضعیف اور کمزور ہیں، قیدی اور غریب الوطن ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہر غم ومصیبت سے خلاصی کا وسیلہ پیدا فرمادے اور ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ کھول دے؟؟

رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے:

"دعوة المرء المسلم لأخيه بظهر الغيب مستجابة عند رأسه ملك موكل كلما دعا لأخيه بخير قال الملك الموكل به آمين ولك بمثل"۔

"ایک مسلمان کی اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دعا قبولیت کا شرف لیے ہوئے ہوتی ہے۔ اس کے سر کے پاس وکالت کرنے والا ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ جب بھی وہ اپنے بھائی کے حق میں دعائے خیر کرتا ہے، وہ فرشتہ اس پر آمین کہتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہارے لیے بھی وہی کچھ ہو جو تم اپنے بھائی کے لیے مانگ رہے ہو"۔[۳۱]

امام نوویؒ رحمہ اللہ اس کی تشریح کچھ یوں کرتے ہیں:

"وفي هذا فضل الدعاء لأخيه المسلم بظهر الغيب ولو دعا لجماعة من المسلمين حصلت هذه الفضيلة ولو دعا لجملة المسلمين فالظاهر حصولها أيضا _ وكان بعض السلف: إذا أراد أن يدعو لنفسه يدعو لأخيه المسلم بتلك الدعوة لأنها تستجاب ويحصل له مثلها"۔

"اس حدیث میں کسی مسلمان کی طرف سے اپنے بھائی کے حق میں غائبانہ دعا کرنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اگر کوئی شخص مسلمانوں کی کسی جماعت کے لیے دعا کرے، تب بھی یہی فضیلت ہے، اور اگر تمام مسلمانوں کے لیے دعا کی جائے، اس وقت بھی دعا کرنے والا اسی فضیلت کا مستحق ہو گا۔ سلفِ صالحین میں سے بعض کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جب اپنے لیے کوئی دعا کرنا چاہتے تو وہی دعا اپنے مسلمان بھائی کے لیے کر دیتے

---

[۳۱] رواه مسلم في صحيحه

تھے، کیونکہ مسلمان بھائی کے حق میں وہ دعا قبول ہوتی ہے اور بدلے میں دعا کرنے والے کو بھی ویسا ہی مل جاتا ہے"۔[۳۲]

سچا مومن ہونے کی دلیل

دوسروں کے حق میں غائبانہ دعا صداقتِ ایمان کی واضح دلیل ہے، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه"۔

"تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے"۔

جب تم اپنے بھائی کے حق میں بغیر کسی سفارش کے دعا کرتے ہو تو یہ تمہاری اس سے خاص محبت کی دلیل ہے اور اس بات کی دلیل بھی کہ جس خیر کو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو اسی خیر کو اپنے بھائی کے لیے بھی پسند کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾ (الحشر:10)

"اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے ہیں، کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دیجئے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے حسد نہ رکھیے، بے شک آپ نرمی والے اور مہربان ہیں"۔

۱۵۔ استغفار کو لازم پکڑنا

بے شک استغفار کرنے والے کو ناقابلِ برداشت غم اور حادثات لاحق نہیں ہوتے۔ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لو نزلت صاعقة من السماء لأصابت كل الناس إلا المستغفر"۔

[۳۲] شرح النووي على مسلم

"اگر آسمان سے بجلی گرے تو سب لوگ اس کی زد میں آسکتے ہیں، مگر استغفار کرنے والا محفوظ رہے گا"۔

سورۃ انفال میں اللہ تعالی کا یہ فرمان اس کا منہ بولتا ثبوت ہے:

﴿ وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴾ (الأنفال:33)

"اللہ تعالیٰ انھیں ہرگز عذاب سے دوچار نہیں کرتا جب تک آپ ان میں موجود ہیں اور اللہ انھیں ہرگز عذاب سے دوچار نہیں کرے گا جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں:

"ذهب الأمان الأول -يعني: وجود النبي صلى الله عليه وسلم- وبقي الأمان الثاني إلى يوم القيامة وهو الإستغفار"۔

"پہلی قسم کی امان باقی نہیں رہی کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا وجودِ مسعود ان میں باقی نہیں رہا، جبکہ دوسری قسم کی امان روزِ قیامت تک باقی ہے اور وہ استغفار ہے"۔[۳۳]

اے مسلمان بھائی! جب تم استغفار کو لازم پکڑ لو گے تو یہ ایسا ہے گویا تم اللہ کے حکم سے اپنے گناہ مٹا رہے ہو اور ان شاءاللہ اس طرح تمہارے سارے گناہ چھوٹ جائیں گے۔

بعض بزرگوں نے کہا: جو مصیبت بھی نازل ہوتی ہے وہ بندے کے گناہوں کی وجہ سے نازل ہوتی ہے اور وہ دور بھی توبہ ہی سے ہوتی ہے، پس یہی استغفار عذاب سے نجات، گناہوں کی بخشش، اولاد میں برکت اور رزق میں کشادگی کا ذریعہ ہے۔

طلبِ مغفرت کی عظمت

مغفرت طلب کرنا بہت بڑا درجہ رکھتا ہے، حدیث میں آتا ہے:

"من لزم الإستغفار جعل الله له من كل ضيقٍ مخرجًا ومن كل همٍ فرجًا"۔

[۳۳] جامع البيان في تأويل القرآن للطبري؛ سورة الأنفال، الآية ۳۳

”جس نے استغفار کو خود پر لازم کر لیا، اللہ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور ہر غم سے اسے راحت عطا فرماتا ہے“۔[۳۴]

اس حدیث کی سند میں کلام ہے مگر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس کی تائید کرتا ہے جو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی ارشاد فرمایا گیا:

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۝ وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا﴾ (نوح: 10_12)

”میں نے کہا: اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، وہ آسمان سے تم پر خوب بارشیں برسائے گا اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کرے گا، تمہارے لیے باغات پیدا کر دے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کرے گا“۔

پس سمجھ لو کہ استغفار بلاؤں اور حادثات کو دور کرتی ہے، اور وسعت وبرکات کے نزول کا ذریعہ ہے۔

۱۶۔ مخلوق کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور شکایات پیش کرنا

اللہ رب العزت کے حضور شکوہ وشکایت تمہیں طاقت اور خوش نصیبی کا احساس دلائے گا، اس طرح تم ایک مضبوط پناہ میں آجاؤ گے۔ اس کے برعکس لوگوں سے شکوہ و شکایت کا اظہار اور ان کے پاس جو کچھ ہے اس سے امیدیں باندھنا تو دراصل کمزوری، ذلّت اور دوسروں کی محتاجی کا نام ہے۔

بلاشبہ یہ توحید کے اصولوں میں سے ہے کہ تم خوشحالی اور تنگی، خوف وامن اور بیماری وتندرستی کے وقت اپنے خالقِ حقیقی سے تعلق جوڑو بلکہ ہر حال اور ہر زمانے میں اسی ذاتِ بابرکات سے منسلک رہو۔

---

[۳۴] رواه أبو داؤد في سننه

آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ دل مخلوق سے جڑے ہوئے ہیں، نظریں دنیوی اسباب پر ٹکی ہوئی ہیں اور اللہ کی طرف رجوع کا دھیان تک نہیں۔ اگر حالت یہی رہی تو خطرہ ہے کہ عقیدۂ توحید سے ہی ہاتھ نہ دھونے پڑ جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی شکایات پیش کرنا، اس کے دربار میں گریہ وزاری اور اسی کے سامنے حاجت مندی کا اظہار دراصل ایمان اور توحید پر قائم رہنے کی دلیل ہے۔ نیز اللہ ہی سے دعا مانگنا اور صرف اسی کے در کا سوالی بننا پختہ یقین کی علامات میں سے ہے۔ بقولِ شاعر:

يا صاحب الهم! إن الهم منفرج	أبشر بخير فإن الفارج الله
إذا بليت فثق بالله وارض به	إن الذي يكشف البلوى هو الله

(اے غمگین! بے شک غم خوشحالی میں تبدیل ہونے والا ہے کیونکہ بلاشبہ غموں کو زائل کرنے والا اللہ ہے۔ جب تو مصیبت میں مبتلا ہو تو اللہ ہی پر یقین رکھ اور اس سے راضی رہ کیونکہ اللہ ہی مصیبتوں کو دور کرنے والا ہے۔)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ﴾ (النمل:[3])

"کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے، جب وہ اسے پکارتا ہے؟ اور وہ اس کی تکلیف دور کرتا ہے؟ اور تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ تم لوگ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو"۔

یعنی کیا اللہ وحدہ لا شریک کے علاوہ کوئی اور ہے جو اس بے قرار شخص کی دعا سنتا ہے...... جسے تکلیف نے اَدھ مُوا کر دیا ہو، جس کے لیے مطلوب کا حصول بہت مشکل ہو گیا ہو اور جو تکلیف سے خلاصی کے لیے بے چین ہو چکا ہو؟ بلاشبہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی نہیں جو تکالیف، ابتلاء اور شر سے نجات دے سکے۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ

اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہر غم سے رہائی عطاء فرما!

اے رب! ہمارے لیے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ بنا دے!

اے رب! ہمارے باہمی حالات وکیفیات کی دُرستگی فرما!

اور ہمارے روزمرہ کے کاموں میں آسانی پیدا فرما دے!

اور ہماری آخرت ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے اچھی کر دے!

ہم تجھ سے دنیا وآخرت میں عفو وعافیت کے طلبگار ہیں!

آمین یارب العالمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين!

مصائب وآلام کا آلینا بندۂ مومن کی زندگی کے کٹھن ترین اوقات میں سے ہوتا ہے۔ ایسے میں صعوبتوں کو صبر سے جھیلنا، حوادث میں استقامت سے دین پر ڈٹے رہنا اور رب تعالیٰ سے راضی رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں بہت سے مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے اور ہمارے سامنے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کا اسوہ پیش کیا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ دین کے سچے ماننے والوں اور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کو دنیا میں ان مصائب کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے، کیونکہ یہ مصائب ان کے ایمان کی سچائی کو ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"الم۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد یوں ہی چھوڑ دیے جائیں گے اور انھیں (مصائب ومشکلات کے ذریعے) آزمایا نہ جائے، جبکہ ہم نے ان سے پہلوں کو بھی اسی طرح آزمایا۔ (اس سب کا مقصود یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ جان لے کہ سچے ایمان والے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں؟"
(العنکبوت: ۱۔۳)

پھر ایمان کے حساب سے یہ ابتلاء شدید تر ہوتی جاتی ہے، جس کا ایمان پختہ تر ہوتا ہے تو اس کی آزمائش بھی اسی قدر سخت ہوتی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں میں سب سے زیادہ کون مصائب کے ذریعے آزمایا جاتا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

"سب سے زیادہ سختیوں سے انبیاء کو آزمایا جاتا ہے، پھر ان لوگوں کو جو مرتبے میں ان سے قریب ہوں۔ (بلاشبہ) انسان اپنی دینداری کے لحاظ سے آزمایا جاتا ہے"۔